تحقیق و تنقید

قسط ۲ (آخری)

قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل

قرآن کریم کی روشنی میں!

پروفیسر محمد دین قاسمی
گورنمنٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد

سورۃ القصص کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

"طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ
نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا
شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَ
نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ
وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا
خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا
تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ

الْمُرْسَلِيْنَ۔" (القصص: ۱ تا ۷)

"ط۔ س۔ م، یہ کتاب مبین کی آیات ہیں، ہم موسیٰ اور فرعون کا حال ٹھیک ٹھیک آپ کو سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے فائدے کے لئے جو ایمان لائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ دباتا تھا اس کے بیٹوں کو وہ قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو وہ جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقعہ وہ مفسد لوگوں میں سے تھا، اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں دبا کر رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کو وہی کچھ دکھا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ "اس کو دودھ پلا اور پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔"

ان آیات میں ولادتِ موسیٰ سے قبل فرعون کی اسی انسانیت کش پالیسی کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قتلِ ابنائے بنی اسرائیل کا پہلا حکم اس وقت نافذ ہوا تھا جب ابھی حضرت موسیٰ کی پیدائش نہیں ہوئی تھی۔ اسی خوف کے باعث امِ موسیٰ پریشان تھیں اور اسی خوف اور پریشانی میں خدائے بزرگ و برتر نے انہیں یہ وحی کی کہ ..."بچے کی جان کا اگر تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا ...!" سورۂ اعراف کی جس آیت (۱۲۷) کو مسٹر پرویز پیش فرما رہے ہیں، وہ قتلِ ابنائے بنی اسرائیل کے سلسلہ میں دوسرا فرعونی حکم ہے۔ فرعون کے اس ظالمانہ حکم کے دو مرتبہ نفاذ سے متعلق، خود مسٹر پرویز کے یہ اقتباسات ہم تکرار کی کوفت کے باوجود دوبارہ پیش کرنے پر مجبور ہیں:

"فرعون نے اگرچہ مصری دائیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دیا کریں، لیکن اس حکم پر شدت سے پابندی نہیں ہو رہی تھی۔"

"پر دائی جنائیاں خدا سے ڈریں اور جیسا کہ مصر کے بادشاہ نے انہیں حکم کیا تھا، نہ کیا، اور لڑکوں کو جیتا رہنے دیا۔ (خروج ۱۷/۱)"

"اس کی بالواسطہ تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو حضرت موسٰے پیدا ہونے کے بعد زندہ رہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جب حضرت موسٰے فرعون کے مقابلے میں آتے ہیں اور فرعون کو بنی اسرائیل کی قوت سے زیادہ خطرہ محسوس ہوتا ہے تو اس وقت فرعون اس حکم کو پھر دہراتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حکم پر سختی سے عملدرآمد نہیں ہو رہا تھا اس لئے اسے دوبارہ شدت و تاکید سے تنفیذ احکام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بہرحال، قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت موسٰے کی والدہ کو تردد لاحق ہوا کہ بچے کو کس طرح بچایا جائے تو اللہ تعالٰے نے آپ پر (اُمّ موسٰے پر) القار کیا کہ بچے کو دریا میں بہا دیں۔" (معارف القرآن ج ۳، ص ۱۹۰)

پھر آگے چل کر آیت (الاعراف : ۱۲۷) کے تحت لکھتے ہیں:

"اس سے مترشح ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت قتلِ ابناء کا جو قانون نافذ تھا، وہ یا تو بعد میں معطل کر دیا تھا یا اس کی تنفیذ میں کچھ زیادہ سختی نہیں برتی جاتی تھی۔ فرعون نے کہا کہ زیادہ خطرہ بنی اسرائیل کی کثرت سے ہے۔ سو اس کا علاج ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے، یعنی وہی قتلِ ابناء والا قانون۔" (معارف القرآن ج ۳، ص ۲۴۸)

ہماری اس بحث اور خود مسٹر پرویز کے اقتباسات سے واضح ہے کہ مسٹر پرویز نے جس بنیاد پر ولادتِ موسوی کے وقت قتلِ ابناء کے اس فرعونی قانون کے نفاذ کا انکار کیا ہے، وہ حقائق کی دنیا میں معدوم ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر یہ کہنا کہ یہ حکم صرف ایک مرتبہ ہی نافذ ہوا ہے، اور وہ دعوتِ موسوی کے دوران کا واقعہ ہے، قرآن کے نام پر غیر قرآنی بات کا اعلان کرنا ہے۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ :

ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں اُن کی جان کے خوف سے دریا میں ڈالا۔ کیونکہ بذریعہ وحی انہیں یہی ہدایت تھی۔ اگر حضرت موسٰے کی جان کو

کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا تو ان کی والدہ کو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ خوف، بہرحال فرعون کے اسی حکم کی پیداوار تھا جو ابنائے بنی اسرائیل کے قتل کے سلسلہ میں وہ جاری کر چکا تھا، مسٹر پرویز اس پر یوں لب کشائی فرماتے ہیں :

"سورۃ القصص میں البتہ یہ مذکور ہے کہ حضرت موسےٰ کی ماں سے کہا گیا کہ

أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ (۲۸/۷)

"تو اس بچہ کو دودھ پلاتی رہ، اور جب تجھے اس کے متعلق خوف ہو اسے دریا میں ڈال دینا" اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ خوف اس بات کا تھا کہ فرعون کے لوگ بچے کو قتل کر دیں گے۔ لیکن جب قرآنی شواہد سے یہ ظاہر ہے کہ قتل ابناء کا حکم حضرت موسےٰ کی دعوت کے زمانے کا ہے تو اس سے یہ اندازہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس خوف کا باعث کچھ اور سمجھنا ہوگا۔" (لغات القرآن ص ۶۹۲)

یہاں پھر اس بنائے فاسد پر استدلال کی بنیاد رکھی گئی ہے کہ "قرآنی شواہد سے یہ ظاہر ہے کہ قتل ابناء کا حکم، حضرت موسےٰ کی دعوت کے زمانے کا ہے" حالانکہ یہ دوسری مرتبہ کا حکم ہے۔ جبکہ پہلی مرتبہ کا حکم اس وقت صادر ہوا جب ہنوز حضرت موسےٰ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہم قبل ازیں سورۃ القصص کے حوالے سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ولادتِ موسوی سے قبل قتلِ ابناء کا یہ فرعونی حکم نافذ ہو چکا تھا۔ اس سلسلہ میں مسٹر پرویز کے اقتباسات بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد بھی یہ رٹ لگائے رکھنا کہ "مردم کشی کا فرعونی حکم، دعوتِ موسوی کے زمانے کا حکم ہے۔" ایک بےجا ہٹ دھرمی اور خواہ مخواہ کی سینہ زوری ہے۔

پھر مسٹر پرویز کا یہ فرمان بھی بڑا عجیب ہے کہ ۔ "اُمِ موسےٰ کے خوف کا باعث کچھ اور سمجھنا ہوگا" اس کے بعد وہ خود بھی اس خوف کا باعث تلاش نہیں کر سکے۔ بس یہ کہہ کر کہ "اس کا باعث کچھ اور سمجھنا ہوگا۔" آگے سرک گئے ہیں۔

ایک ایسے "مفسرِ قرآن" کا، جسے اپنی قرآن فہمی کا بڑا زعم ہو، اور ساری عمر "قرآن، قرآن" کی دہائی دیتا رہا ہو، تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں یوں ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانا اور پھر اس پر ہٹ دھرمی سے بھی کام لینا شاید اس دور کا سب سے بڑا لطیفہ ہے۔

دوسری دلیل "لَا تَقْتُلُوهُ" اس سلسلہ میں ہماری دوسری دلیل "امرأۃ فرعون" کا یہ

قول ہے، جسے قرآن کریم نے بایں الفاظ پیش کیا ہے :

" وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۔ الآیۃ !" (القصص : ۹)

" فرعون کی بیوی نے کہا : یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔"

اس آیت میں " لَا تَقْتُلُوْهُ " کے الفاظ اس امر پر شاہد ہیں کہ اس وقت بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا جاتا تھا، اور " امرأت فرعون " اس بچے کو قتل سے بچا کر اپنا متبنّٰی بنانے کی سوچ رہی تھی۔ جبکہ مسٹر پرویز فرماتے ہیں :

" (قرآن نے) فرعون کی بیوی کے متعلق کہا ہے کہ جب فرعون کے لوگوں نے صندوق پکڑ لیا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ لَا تَقْتُلُوْهُ (۲۸/۹) " اسے قتل نہ کرو، اسے ہم متبنّٰی بنا لیتے ہیں "۔ اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا جاتا تھا لیکن یہ قیاس اس لیے صحیح نہیں کہ اس بچے کے متعلق (جسے دریا کی لہروں سے اٹھایا گیا تھا) یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ وہ بنی اسرائیل کی قوم کا بچہ ہے قومِ فرعون میں سے کسی کا بچہ نہیں ؟" (لغات القرآن صـ۶۹۲)

مسٹر پرویز نے یہاں جو کچھ فرمایا، اس سے بڑھ کر حماقت شاید ممکن بھی نہ تھی، سوچنے کی بات یہ ہے کہ عام حالات میں کوئی بچہ کسی کو یوں ملتا ہے تو وہ اسے سب سے پہلے قتل کرنے کی کیوں سوچے گا؟ ظاہر ہے یہ سوچ اسی ظالمانہ پروگرام " قتلِ ابنائے بنی اسرائیل " سے عبارت تھی! پھر یہ جاننے کے لیے بھی، کہ بچہ فی الواقعہ بنی اسرائیل ہی کا ہے، عقل کی کسی بہت بڑی مقدار کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ :

۱۔ یہ ان گھروں کی طرف سے آ رہا تھا جن میں اسرائیلی سکونت پذیر تھے۔

۲۔ دریا کی لہروں سے بچے کو اس زمانے میں نکالا گیا ہے جبکہ اسرائیلی بچے ہلاک کئے جا رہے تھے۔ لہٰذا انہی کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے بچے کو اس وقت دریا میں ڈال دیا ہو گا جب اسے مزید چھپائے رکھنا مشکل ہو گیا کہ شاید اسی

طرح اس کی جان بچ جائے۔

۲۔ بالیقین یہ بچہ قومِ فرعون میں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ حاکم تھے، انہیں اپنے بچوں کی جان کے متعلق ایسا کوئی خوف دامنگیر نہیں تھا کہ وہ اس کی حفاظتِ حیات کی خاطر دریا میں اسے ڈال دینے پر مجبور ہوتے۔

لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا کہ قتلِ ابنائے بنی اسرائیل کا یہ ظالمانہ فعل اس وقت جاری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون نے بچے کو قتل کرنا چاہا۔ مگر اس کی بیوی آڑے آگئی۔

یہاں مسٹر پرویز ہی کا ایک اور اقتباس نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

"بچہ صندوق میں بہے جا رہا تھا کہ ایک موج نے صندوق کو جانبِ ساحل پہنچا دیا۔ جہاں وہ مصری لوگوں کی نظر پڑ گیا جو معلوم ہوتا ہے کہ شاہی محلات سے متعلق تھے، انہوں نے بچے کو باہر نکالا اور چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کے تذکرے ان دنوں عام ہو رہے تھے اس لیے پہلا خیال یہی گزرا کہ یہ بھی ان ہی کا بچہ ہوگا۔ لیکن مشیت ہنس رہی تھی۔"

(معارف القرآن ج ۳ ص ۱۹۰)

رہا مسٹر پرویز کا یہ فرمان کہ:

"یہاں لَا تَقْتُلُوْهُ کے معنیٰ قتل کرنا نہیں ہوں گے۔ بلکہ حقیر سمجھ کر پھینک دینے کے ہوں گے۔" (لغات القرآن ص ۶۹۲)

تو یہ بوجوہ غلط ہے اور یہاں قتل بمعنی سلبِ حیات کے سوا اور کوئی معنیٰ مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔ قتل کے مختلف معانی کے متعلق مسٹر پرویز یوں رقمطراز ہیں:

"قرآن کریم میں جہاں قتل کا لفظ آئے گا ہر جگہ اس کے معنیٰ "مار ڈالنے" کے نہیں ہوں گے۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معنی متعین کئے جائیں گے، کہیں مار ڈالنا، کہیں ذلیل و حقیر کرنا۔ غیر موثر بنا دینا، تباہ و برباد کر دینا، کہیں علم و تربیت سے بے بہرہ رکھنا، اور کہیں پورا پورا علم حاصل کرنا، وغیرہ۔ حتیٰ کہ انتہائی کوشش کرنا بھی۔ چنانچہ استقتل فی الامر کے معنیٰ ہیں اس نے اس معاملہ میں جان کی بازی لگا کر کوشش کی۔"

(لغات القرآن ص ۱۳۱۹)

لفظ "قتل" کے یہ معانی جو مسٹر پرویز نے بیان کئے ہیں، اگر انہیں درست بھی مان لیا جائے، تب بھی قابلِ غور امر یہ ہے کہ آخر یہاں کون اور کس صورت میں اس نوزائیدہ اور معصوم بچے کی تذلیل و تحقیر کر رہا ہے کہ "امرأت فرعون" کو اس سے منع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی؟ پھر بچہ عمر کی اس حد میں ہے کہ اس کی شعور و فکر کی قوتیں، اپنے ساتھ ہونے والی تحقیر و تذلیل کے ادراک ہی سے قاصر ہیں۔ لہٰذا "تحقیر و تذلیل" کے یہ معنیٰ یہاں لیے ہی نہیں جا سکتے۔

اسی طرح "غیر مؤثر بنا دینے" کا معنیٰ بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ یہ نوزائیدہ بچہ کسی پر کوئی اثر و رسوخ ڈالنے کی پوزیشن ہی میں نہیں ہے کہ اسے "غیر مؤثر بنانے" کی تجویز کی جاتی۔ "علم و تربیت سے بے بہرہ رکھنا"، بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتا کہ بچہ ابھی اس عمر کو پہنچا ہی نہیں کہ اسے علم و تربیت دینے یا نہ دینے کا کوئی مسئلہ زیرِ غور ہو۔ لہٰذا یہاں قتل کے معنیٰ صرف اور صرف "جان سے مار کر ہلاک کر دینے" ہی کے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قرائن سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ بچہ بنی اسرائیل ہی کا ہے، جن کے قتل کا حکم فرعون نے جاری کر رکھا تھا۔ چنانچہ سو بات کی ایک بات، خود مسٹر پرویز نے بھی ایک مقام پر "لَا تَقْتُلُوْهُ" کا یہی معنیٰ بیان کیا ہے:

> "اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھ کی راحت (ہو سکتا) ہے، اسے قتل نہ کرو۔ شاید وہ ہمارے لیے نفع کا موجب ہو یا اسے ہم بیٹا ہی بنا لیں۔" (مطالب الفرقان ج ۔ ص ۱۹۱)

لہٰذا "لَا تَقْتُلُوْهُ" کے قائل کا اولاد سے محروم ہونا اور پھر اس بچے کو متبنّٰی بنا لینے کا قصد و ارادہ، اس کو "جان سے مار ڈالنے" سے منع کرنے کے علاوہ، ہر دوسرے معنیٰ قتل کی نفی کر ڈالتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نہ صرف یہاں بلکہ ہر اس مقام پر، جہاں بنی اسرائیل کے قتلِ ابناء کا ذکر آیا ہے، وہاں انہیں سچ مچ "جان سے مار ڈالنے" ہی کے معنیٰ مراد ہیں چنانچہ اور بھی متعدد مقامات پر مسٹر پرویز نے یہی معنیٰ مراد لیے ہیں، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱۔ "(اور اپنی تاریخ کا) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں خاندانِ فرعون کی غلامی سے، جنہوں نے تمہیں نہایت سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا، نجات دی تھی، وہ تمہارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے۔ (تاکہ تمہاری

نسل وجمعیت نابود ہو جائے) اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے (تاکہ حکمران قوم کی لونڈیاں بن کر زندگی بسر کریں) اور فی الحقیقت اس صورتحال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی۔ (۲/۴۹)"

(معارف القرآن ج ۲ صـ ۱۸۹)

۲۔ "اور (خدا فرماتا ہے، اے بنی اسرائیل) وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی۔ وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کیلئے) زندہ چھوڑ دیتے۔ اس صورتِ حال میں، تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی۔ (۷/۱۴۱)" (معارف القرآن ج ۲ صـ ۲۷۶)

۳۔ "سو اب موسیٰ ہماری طرف سے حق لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرو جو اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو (انہوں نے یہ تدبیر کی لیکن یاد رکھو کہ ان) نہ ماننے والوں کی تدبیر بے نتیجہ رہنے والی تھی (۴۰/۲۵)"

ان اقتباسات میں خط کشیدہ الفاظ ہمارے اس دعویٰ کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ قتل ابنائے بنی اسرائیل کے معنی "جان سے مار ڈالنے" ہی کے ہیں۔

اس آیت (۴۰/۲۵) پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے مسٹر پرویز مزید فرماتے ہیں:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایمان تو لائیں یہ لوگ، اور حکم یہ دیا جائے کہ ان کے پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیا جائے، حالانکہ دوسری طرف جب دربارِ فرعون کے ساحرین ایمان لائے ہیں تو اس نے ان ہی کے متعلق حکم دیا تھا کہ انہیں سولی پر لٹکا دیا جائے نہ کہ ان کے بچوں کو قتل کر دیا جائے۔"

(لغات القرآن صـ ۶۹۳)

یہاں بھی مسٹر پرویز نے قتل کا معنی جان سے مار دینا ہی تسلیم کر لیا ہے۔ تاہم ان کا المیہ یہ تھا کہ قرآن سے کچھ سمجھنے کی بجائے الٹا کتاب اللہ کو کچھ سمجھاتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں تھا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی، بلکہ یہ بھی تھا کہ بات ان کی سمجھ میں آکر پھر نکل جاتی تھی۔ اور وہ حیران و سرگرداں کھڑے رہ جاتے تھے۔ یہاں جو بات ان کی سمجھ

نہ آ سکی، اس سے قبل ان کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ لیکن پھر نکل گئی۔ حالانکہ قبل ازیں انہوں نے خود لکھا کہ:

"یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے یعنی بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں کی نسل کو آگے نہ بڑھنے دو جو حق وصداقت کو قبول کر چکے ہیں، خطرہ ان ہی کی اولاد سے ہے۔ جو اس دعوتِ انقلاب کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں ان کی اولاد سے زیادہ خطرہ نہیں۔ اس لیے اگرچہ حکم عام تھا لیکن اس کی شدت بالخصوص ان کے لیے تھی جو دل سے ایمان لے آئے تھے۔"

(معارف القرآن ج ۳ ص ۲۴۸)

الغرض مسٹر پرویز، جب تک قرآن سے ہدایت لینے کے متمنی رہے، اس وقت تک وہ ان آیات کا وہی ترجمہ پیش کرتے رہے، جو سلف سے لے کر خلف تک تمام علمائے امت کرتے رہے ہیں۔ لیکن جب وہ خود قرآن کو ہدایت دینے پر اتر آئے تو ہر آیت کے ترجمہ میں راہِ انحراف کو اختیار کر لیا۔ چنانچہ بعد میں انہی آیات کا مفہوم (جن میں قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل کا ذکر ہے) انہوں نے یوں بیان کیا (قارئین سے گزارش ہے کہ درج ذیل مفہومِ آیات کو پڑھتے ہوئے سابقہ صفحات میں انہی آیات کا وہ ترجمہ بھی ایک نظر دیکھ لیں جو معارف القرآن جلد سوم کے حوالے سے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں):

۱۔ "اور اس طرح کرتا یہ تھا کہ تمہاری قوم کے معزز افراد کو، جن میں اسے جوہرِ مردانگی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور جن سے اسے خطرہ کا امکان نظر آتا تھا۔ ذلیل وخوار کر کے غیر مؤثر بناتا رہتا تھا۔ (بالخصوص انہیں، جو موسیٰ پر ایمان لائے تھے $\frac{۴۰}{۲۵}$) اور جو طبقہ ان جوہروں سے عاری ہوتا اسے اپنا معزز اور مؤقر بنا کر آگے بڑھاتا رہتا تھا۔" ($\frac{۲}{۴۹}$ ۔ مفہوم القرآن)

۲۔ ہم اس قوم کے معزز افراد کو، جن میں جوہرِ مردانگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور جس سے خطرہ کا امکان ہے ذلیل وخوار کر کے غیر مؤثر بنا دیں گے۔ اور جو طبقہ ان جوہروں سے عاری ہے، اسے معزز اور مقرب بنا کر آگے بڑھائیں گے۔ ($\frac{۷}{۱۲۷}$ ۔ مفہوم القرآن)

۳۔ "وہ قوم کے ان افراد کو جن میں اسے جوہر مردانگی نظر آتے، ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بنا دیتا اور جو ان جوہروں سے عاری ہوتے، انہیں ابھارتا اور آگے بڑھاتا رہتا۔" (۲۸/۴ ۔ مفہوم القرآن)

چنانچہ یہ مسٹر پرویز ہی کی ہمت ہے کہ پہلے قتل کا معنیٰ "جان سے مار ڈالنا" "ذبح کرنا" مراد لیا۔ پھر اس کا معنیٰ تحقیر و تذلیل اور جوہرِ مردانگی سے عاری کر دینا وغیرہ وغیرہ" کیا۔ لیکن اپنی خود ساختہ لغت سے اسے متقوی کر ڈالنے کے بعد خود بھی اس سے غیر مطمئن ہی رہے۔ لہٰذا مذکورہ لاطائل بحث کے بعد بھی یہ لکھا کہ:

"قتل یا ذبح ابناء سے یہی مراد ہے لیکن بہرحال یہ ایک اندازہ ہے جس پر مزید غور کیا جا سکتا ہے۔" (لغات القرآن ص ۶۹۳)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

قرآنی شواہد سے قیاس کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ ذبح ابناء اور استحیاء نساء کے الفاظ استعارۃً استعمال ہوئے ہیں۔ سچ مچ قتل کر دینے کے معنوں میں نہیں ہوئے، لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے یہ ہمارا قیاس ہے جس کے دلائل اوپر دیئے گئے ہیں۔ اگر ان دلائل کو قوی نہ سمجھا جائے تو ذبح ابناء کو حقیقی معنوں میں لیا جائے گا یعنی فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سچ مچ قتل کر دیا کرتا تھا، اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر پردے اٹھے ہیں ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کر دینے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے۔ ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو۔ اس وقت تک صرف تورات میں یہ ملتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مار ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا۔ (کتاب خروج) لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے موجودہ تورات کی جو حیثیت ہے وہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

(لغات القرآن ص ۶۹۴)

مسٹر پرویز کا یہ اقتباس، ان کی اس نفسیاتی کیفیت کو بے نقاب کر دیتا ہے کہ وہ "قتلِ ابناء" کے "جان سے مار ڈالنے" کے عام فہم معانی صرف اس لیے مراد نہیں

لے رہے تھے کہ ابھی تک اثری اور حجری انکشافات سے ان معانی کی تصدیق نہ کی تھی۔ یہ اس شخص کا حال ہے جو ہر وقت "قرآن، قرآن" کی رٹ لگائے رکھتا تھا۔ گویا جب اثری تحقیقات کے دوران کوئی ایسا کتبہ مل جاتا (یا آئندہ مل جائے گا) جو ولادتِ موسیٰ کے وقت، بنی اسرائیل کے بچوں کو مار ڈالنے کا انکشاف کر دیتا تو پھر "مفکرِ قرآن" صاحب ایک اور پلٹا کھاتے اور "مفہومِ قرآن" بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتا۔ ورنہ اس وقت تک ان کے بتائے ہوئے معانی پر گزارہ کر لیا جائے۔

اور یہ بھی کیا خوب کہا ہے کہ ——— اسرائیلی بچوں کو سچ مچ مار ڈالنے کا فرعونی حکم صرف تورات میں پایا جاتا ہے مگر موجودہ تورات ساقط الاعتبار ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ اسی "مفسرِ قرآن" کا یہ وطیرہ تھا، جب جی چاہا تورات کی ساقط الاعتبار حیثیت کی دہائی دے کر اس میں مذکور واقعات کو رد کر دیا خواہ یہ واقعات مطابقِ قرآن ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جب جی چاہا اسی ساقط الاعتبار کتاب سے تمسک کر کے اس کی خوشہ چینی پر اتر آئے۔ مثلاً یہ سوال کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ملکی نظم و نسق سنبھالتے ہوئے مصر میں دورانِ قحط انتظامِ معیشت کیسے کیا؟ اس سلسلہ میں مسٹر پرویز کا جواب یہ ہے کہ آپ نے "اشتراکیت" نافذ کر دی تھی، چنانچہ اس کے ثبوت کے لیے اسی کتابِ تورات سے تمسک کرتے ہیں، جسے وہ پایۂ اعتبار سے ساقط گردانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو "قرآنی فیصلے" کا متعلقہ عنوان۔

ہم اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ قتلِ ابنائے بنی اسرائیل کے مفہوم کے تعین کے سلسلے میں ایک دو ٹوک بات کر دی جائے۔

مسٹر پرویز کے نزدیک "قتل" کے درج ذیل معانی ہیں:

۱۔ جان سے مار ڈالنا۔
۲۔ ذلیل و حقیر کر دینا۔
۳۔ غیر مؤثر بنا دینا۔
۴۔ تباہ و برباد کر دینا۔
۵۔ علم و تربیت سے بے بہرہ رکھنا۔
۶۔ پورا پورا علم حاصل کرنا۔ (لغات القرآن ص ۱۳۱۹)

ان چھ معانی میں سے "قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل" میں کونسا معنیٰ مراد ہے؟ تو اس کی تعیین خود قرآنِ کریم نے کر دی ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۴۹ میں اس کے لیے "یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ" کے الفاظ انتہائی واضح ہیں کہ "وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے۔" اور ذبح کا لغت میں ایک ہی مفہوم ہے جو خود مسٹر پرویز کے قلم سے درج ذیل ہے:

"ذَبَحَ یَذْبَحُ اندر کی طرف سے سر اور گردن کے جوڑ سے حلق کاٹ دینا۔ چیر دینا، پھاڑ دینا، شق کر دینا۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنیٰ ہیں۔" (لغات القرآن صـ۶۸۸)

اب جب کہ قرآن "قتلِ ابناء" کی وضاحت "ذبحِ ابناء" سے کرتا ہے تو قتل کا وہی مفہوم از روئے قرآن اولیٰ و انسب ہوگا جو "قتل" اور "ذبح" کے دونوں لفظوں میں مشترک ہے، اور وہ "جان سے مار ڈالنے" ہی کا مفہوم ہے۔ مسٹر پرویز کے فکر کی بنیادی خامی یہ ہے کہ یہاں بجائے اس کے کہ "ذبح" کے واحد مفہوم کی روشنی میں "قتل" کے مختلف مفاہیم میں سے ایک مفہوم کو متعین کریں وہ الٹا "ذبح" کے منفرد اور قطعی مفہوم کو "قتل" کے مختلف مفاہیم کی روشنی میں ان چھ معانی تک وسیع کر ڈالتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "ذبح" کے واحد مفہوم کی بنیاد پر "قتل" کا مفہوم متعین کرنے کی بجائے، "قتل" کے متفرق مفاہیم کی اساس پر "ذبح" کے واحد، قطعی اور منفرد مفہوم کو ان چھ معانی تک وسیع کر دینے کی کیا دلیل ہے؟ —— اقبال کی زبان میں

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل ممکن نہ ہوگی۔ شکریہ!

(مینجر)